رجسٹرڈ نمبر اے ۲۰۳۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حب وطن از ملک سلیماں خوشتر — خار وطن از سنبل و ریحاں خوشتر
یوسف کہ بمصر بادشاہی میکرد — می گفت گدا بودن کنعاں خوشتر

کاکوری اخبار

پنجروزہ

ایڈیٹر محمد قمر الزمان

جلد ۶ | کاکوری دوشنبہ یکم مئی ۱۹۳۹ء مطابق ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ | نمبر ۱

ادبیات

حسب ذیل نظم حاجی مصطفےٰ حسن علوی صاحب ایم - اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے الحاج منشی امیر احمد صاحب علوی والحاج ڈاکٹر حکیم احمد صاحب علوی کی واپسی حرمین مبارکین زادہما اللہ شرفا پر ۱۰ مارچ ۱۹۳۹ء کے عصرانہ میں جو حاجیوں کے اعزاز میں مولوی احسن مجتبےٰ علوی نے دیا تھا پڑھی گئی تھی اور جس نے حاضرین میں ایک کیف ترنم پیدا کر دیا تھا۔ (اڈیٹر)

کرکے سیر کوے دلبر آگئے
زائران قبر انور آگئے

زمزمے وحدت لبوں کے سنو
قمریاں کہتی ہیں ہنس کر آگئے

طائروں کے نغمہ ہائے دلستاں
کوئلیں کہتی ہیں گاکر آگئے

مبارک بارک اللہ کی صدا
اٹھ رہی ہے آج گھر گھر آگئے

ہیں خداے طوبیٰ لک کا ہر طرف
آگئے ہے ہر زباں پر آگئے

کفر وگمرا... اہلاً و سہلاً مرحبا
تذکرے ہیں یہ ہی در در آگئے

عرب انوار الوداع والوداع
آج ہیں چرچے یہ گھر گھر آگئے

چمن پر ... رشک وہ میخوار ہیا
پی کے جو ساغر پہ ساغر آگئے

اور پروانے امتحان عشق میں
اسکے خوش بختی سے تنبر آگئے

سے آشنا ... مقبال ہے
کون ہیں جو پی کے ساغر آگئے

کون یہ وحدت کی جلوہ گاہ سے
کرکے یوں باطن منور آگئے

کون یہ دریاے عشق اللہ سے
بھر کے یوں دامن میں گوہر آگئے

کونسی دولت کے مالک بن گئے
کونسی حشمت یہ لے کر آگئے

کون ہیں حسرت زدہ کرکے ہمیں
کرلیا دیدار جی بھر آگئے

کیسی مے یثرب کے میخانہ میں پی
پیتے پیتے ہی جو چھک کر آگئے

ان سے پوچھو آب زمزم کے مزے
آج یہ سرشار ہو کر آگئے

کرکے دیدار اس حریم پاک کا
جسکے صدقے ہفت کشور آگئے

انکی قسمت کی رسائی دیکھنا
چوم کر کس در کا پتھر آگئے

اے جہاں کی صد ہزار ہوش آفریں
پی کے اس بھٹی کے ساغر آگئے

کچھ ہیں گم کردہ رہ مقصود کے
کچھ جو جادہ پر سنبھلکر آگئے

کچھ جواب سعی صفا کرنے کو ہیں
کچھ جو مروہ سے برابر آگئے

کچھ ہیں اللہ و لا اللہ ہیں
دیکھنے والے یہ منظر آگئے

ہاں لگے اہل وطن ہاں جوش سے
نعرۂ اللہ اکبر آگئے

معلومات

بقراط کا قول ہے کہ قلب اپنی لطافت کے اعتبار سے انسانی بدن میں وہی درجہ رکھتا ہے جو آنکھ پلکوں کے درمیان رکھتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کاکوری اخبار

جلد ۶ | کاکوری دوشنبہ یکم مئی سنہ ۱۹۳۶ء | نمبر ۱

اخبار کا سال نو

بحمد اللہ آج کاکوری اخبار (دور جدید) کا چوتھا سال شروع ہو رہا ہے اور یہ ناتوان مگر مستقل مجاہد اپنی زندگی کے تین سال ختم کرکے چوتھے سال میں قدم رکھ رہا ہے۔

اس تین سال کے عرصہ میں آپکے وطنی خادم نے اچھی یا بُری جو خدمات بھی انجام دیں اسکا فیصلہ آپ ہی کر سکتے ہیں۔ ہم اپنی محنت اور حسن نیت کے داد کے خواہاں نہیں البتہ یہ ضرور عرض کرینگے کہ کتنے ہی موانع و مشکلات ہمکو پیش آتے رہے لیکن اخبار کی اشاعت کو روکا نہیں گیا۔ پروردگار عالم کا صد ہزار بار شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ اُس نے ایک ناچیز گنہگار بندہ کے دل و دماغ میں قوت، جسم میں چستی اور آنکھوں کی بینائی کو قائم رکھتے ہوئے باوجود دقتوں کے پیش آنے کے مستعدی و حوصلہ کو قائم رکھا اور ذوق و فکر میں کمی ہونے نہ دی۔ ساتھ ہی ہم اپنے بیشتر ناظرین کرام و معاونین کے بدل مشکور ہیں کہ ہماری معاونت اور ہمت افزائی برابر فرماتے رہے کہ ہم جملہ دشواریوں اور حوادث ایام پر غالب آتے رہے اور سلامت روی و استقلال کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا جس پر ہم کو فخر و مباہات ہے۔

اس تین سال کی مدت میں اخبار نے کیا ترقی کی؟ اسکا جواب سوائے نفی کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہم کو اسکا اعتراف ہے کہ ہم اپنے حوصلہ و عزم کے مطابق اخبار کو اُس معیار پر نہ لا سکے جسکا ولولہ و جوش ہمارے دل میں تھا اور اب بھی باقی ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اسکا جواب کسی قدر تلخ ہے لیکن کہنا ہی پڑے گا کہ ہمارے اہل وطن نے (بجز چند کے) ہمارے ساتھ پورے طور پر تعاون اور اتحاد عمل نہیں کیا اور یہی بڑا سبب ہے جو اسوقت تک نہ تو اخبار کا سائز بڑھایا جا سکا اور نہ صفحات میں اضافہ ہو سکا۔ جیسا ہم نے سال گذشتہ عرض کیا تھا کہ ماہرین صحافت و مخلص احباب نے بزور روکا کہ موجودہ صورت سے آگے قدم بڑھانا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔

سال زیر ریویو میں عرس نمبر نکالا گیا لیکن بخیال زیر باری اور اشاعتوں کو یکجائی طور پر، کیونکہ گذشتہ دو سال کا تجربہ کافی ہو چکا تھا کہ ہماری محنت کا کب معاوضہ ملا تھا۔ بہر حال ہم خوش ہیں کہ ایمان کی صفائی اور ضمیر کی پاکیزگی کے ساتھ جو کچھ بھی خدمت اپنے وطن کی کر سکے اسکو اپنا فرض سمجھ کر ادا کیا۔ رہا اخبار میں خامیاں اُسکا ہم کو احساس ہے اور حتے الوسع ہم جہانتک تن تنہا اُسکو رفع کر سکتے ہیں اُس سے دریغ نہ کبھی تھا اور نہ اب ہوگا بشرطیکہ ہمارے قدرشناس بھی گاہے گاہے ہماری غلطیوں سے ہم کو مطلع کرنے کے ساتھ ہی اصلاحی تدابیر بھی بتلائیں بلکہ ممکن طریقہ پر ہمارا ہاتھ بٹانے کی کوشش کریں۔ اخبار کی خامیوں کے متعلق انشاء اللہ آئندہ نمبر میں ہم وضاحت سے روشنی ڈالیں گے اور خامی کے اسباب بتلانے کی کوشش کرینگے۔

اسی سلسلہ میں ہم کو اپنے معزز خریداران سے بھی کچھ عرض کرنا ہے چندہ کی ختم مدت کی اطلاع ایک نہیں متعدد بار دفتر سے بھیجی جاتی ہے لیکن کوئی جواب اکثر حضرات نہیں دیتے اور نہ چندہ ارسال کرتے ہیں۔ گذشتہ تین سال میں ڈھائی سو روپیہ کے قریب بقایا میں پڑا ہوا ہے اور اس سال بھی پون سو روپیہ تقریباً بقایا میں ہوگا۔ یہ ہے ہمارے ارباب وطن کی روش اپنے وطنی خدمتگذار کے ساتھ۔ یوں تو ہر اہل وطن کا فرض ہونا چاہیئے کہ اخبار کو خسارہ سے بچانے اور صرف چندہ سے اعانت کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھیں لیکن حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اخبار برابر پہونچتا ہے جو یاددہانی کیلئے کافی ہے نہ کہ یاددہانیوں کے باوجود واسطے چندہ کا خیال نہیں آتا اور اس طرح پر اپنی بے توجہی کا اظہار کیا جاتا ہے کاش اپنی فرض شناسی کے خیال ہی سے اخبار کی اعانت فرمائیں اور اخلاقی ذمہ داری سے اپنے کو سبک نہ ٹھہرائیں۔

(باقی صفحہ ۴ کالم ۲ پر)

ربیع الاول شریف

(از سید لطیف الدین احمد مسلم)

۱۲ ربیع الاول دو شنبہ کے دن حضرت عبداللہ کے گھر میں ایک نورانی پیکر بچہ پیدا ہوا، وہ کون بچہ؟ جو خدا کا اولوالعزم پیغمبر اور محبوب رب العالمین ہوا، رحمۃ للعالمین جسکا لقب اور محمد مصطفٰے جسکا پیارا نام تھا۔ حضرت عبداللہ کا لخت جگر اور بی بی آمنہ رض کا نور دیدہ تھا۔ اس بچہ کے عالم وجود میں آنے سے پیشتر باپ ملک عدم کو سدھارے اور ماں نے بھی کچھ عرصے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہی۔ اب اس یتیم و یسیر بچہ کی پرورش دایہ حلیمہ کرنے لگی۔ یہ بچہ قدرت کی طرف سے نہایت غیر معمولی قوتیں لیکر آیا تھا۔ اور ابتدا ہی سے طبیعت کا رجحان معرفت باری تعالیٰ کے حصول کی جانب تھا اسی وجہ سے اکثر غور و خوض میں مصروف رہتا یا اور بچوں کے ساتھ صحرا میں بکریاں چرانے چلا جاتا لیکن خداوند عالم نے اس دُر یتیم کو ایک نہایت عظیم الشان تعمیری کام کیلئے منتخب کر لیا تھا۔ اور یہ روز ازل سے مقدر ہو چکا تھا کہ یہ بچہ آگے چلکر نہ صرف گمراہوں کے لئے شمع ہدایت بنے گا بلکہ ایک سلطنت و قوم کا بانی بھی ہوگا۔ جس کے مبارک وجود کے پرتو سے کفر و شرک کی تاریکی مٹ جائیگی۔ اور جسکی ذات پاک ستم زدوں کے حق میں ملجا و ماوا ثابت ہوگی۔

جب اہل عرب ضلالت و دہریت کی تاریکی میں بھٹک رہے تھے، جب ملک میں قتل و غارتگری کا بازار گرم تھا۔ بداخلاقی و بیحیائی و بدکرداری ہر طرف کارفرما تھی جہاں نہ کوئی ضابطہ ہی تھا نہ قانون نہ کوئی نظام ہی تھا اور نہ دستور تو ایسے حشر آفریں ماحول میں خداوند جل علا کی طرف سے ایک عظیم ترین ہستی کا نزول ہوا جس نے کفر و گمراہی کی تاریکی کو حق کی روشنی میں بدل دیا۔ رفتہ رفتہ سارا عرب انوار رسالت سے جگمگا اُٹھا خدا کی رحمتوں کے بادل دشت و چمن پر یکساں برسے۔ جوق جوق لوگ شمع نبوت کے گرد جمع ہونے اور پروانہ وار نثار و فدا ہونے لگے۔ آپ نے قوم کو نور ایمان اسلام سے آشنا کر کے "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا" کا درس دیا عرفان و تقوے کے میخانے کھولے، اخوت و محبت، مساوات و ہمدردی کے مدرسے جاری کئے۔ سیاست و انتظام کے رموز سکھلائے، فن جنگ کے طریقے بتلائے اور کتاب اللہ پر عمل کر کے یہ بتا دیا کہ اسطرح اوج ترقی پر پہونچ سکتے اور یوں عروج و اقبال سے ہم آغوش ہو سکتے ہیں۔ وہ مقام جو جہالت، بربریت و عصبیت کا مرکز تھا اب علم و حکمت اخلاق و آداب کا سرچشمہ بنگیا جہاں کا ذرہ ذرہ گویا توحید سے سرشار ہو کر پکار اُٹھا ؎

محمد سر وحدت ہے کوئی رمز اُسکے کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

الغرض ہر فرزند توحید نے بقدر حوصلہ و استعداد اُن جواہر پاروں سے حصہ پایا۔ کوئی خدا کی محبت و عشق میں نغمہ آرا ہوا تو کوئی سیاست و انتظام میں ماہر۔ کوئی سخاوت و حیا میں نام آور ہوا تو کوئی شجاعت و علم میں ممتاز و سربلند۔ کسی نے راہ خدا میں سر کٹا کر حیات جاوید کی قبا پہنی کوئی جنگی قابلیت میں سیف اللہ کے معزز خطاب سے نوازا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی اور صحابہ کرام رض کی زندگی کا ہر رُخ دینی و دنیاوی ترقی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور دنیا میں ترقی و سرسبزی حاصل کرنے کی مکمل تعلیم دیتا ہے۔ لیکن افسوس! ہم نے اسلام کی صحیح تعلیم سے روگردانی کر کے اوہام پرستی و رسم و رواج کی پابندی میں پھنس کر یہ سمجھ لیا ہے کہ اسلام انھیں رسوم کا نام ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق ہو گئے ہیں۔ خدا ہم پر رحم کرے اور نیک عمل کی ہدایت عطا فرمائے۔

(بقیہ صفحہ ۲ کالم ۲)

گذشتہ تجربوں کی بنا پر یہ بھی گذارش کرنا اُن معاونین کی خدمت میں ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ "کاکوری اخبار" کی خریداری کسی وجہ سے اگر آئندہ ہم سے تعاون کرنا نہیں چاہتے تو براہ عنایت لفافہ بھیجنے کی زحمت اُٹھا کر دفتر کو اطلاع کر دیں تاکہ اخبار کو مزید نقصان نہ پہونچے۔ خدا کرے ہماری یہ التجا ہمارے اُن معاونین کے دلوں میں گھر کر جائے اور یہ مخلصانہ درخواست صدا بصحرا نہ ثابت ہو۔ آخر میں ہم نہایت صفائی سے یہ بھی عرض

ڈائری کے چند ورق

(مولوی حسن ابن ضیا علوی صاحب کاکوروی)

(گذشتہ سے پیوستہ)

اتنے دنوں تک اُسکے مضامین دیکھتا رہا اتنا بھی نہ سمجھ سکونگا کہ کس کا خط ہے۔ وہ لاکھ چھپیں مگر مجھ سے بچکر کہاں جائینگی۔ میری حق شناس نظر بھلا چوک جائے مجال کیا ہے مجھے اسکا غم نہیں اسلئے وہ کبھی وہ چھپیں لباس مجاز میں۔ یہ جملہ سوائے وسیم کے اور کس کا ہو سکتا ہے "خدا اپنی حالت کو سنبھالے" دوسرا کون میری حالت سے واقف ہے۔ وسیم ! تمہیں میری حالت سے کیا مطلب۔ کوئی مرتا ہے اُسے مرنے دو دنیا سے کہاں تک کسی کی فکر کروگی۔ دنیا دورنگی ہے تم مجھ سے کہتی ہو حالت کو سنبھالو مگر کہنے سے پہلے اپنے الفاظ پر غور کر لیا ہوتا کہ کہاں تک تسکین دہ ہیں۔ وسیم !...... وسیم !...... تم بولتی کیوں نہیں۔ مجھے اب ہوش نہیں۔ اب نہیں لکھ سکتا۔

۲۶ جولائی۔ آج صبح حافظ جی آ گئے اُنکے ساتھ جانی بھی تھا دونوں زبردستی شکار کھیلنے کیلئے گھسیٹ لیگئے۔ میں نے ہر چند کہا کہ شکار سے مجھے دلچسپی ہی نہیں میری افسردگی تمہارے عیش میں خلل انداز ہوگی مگر کسی طرح نہ مانے۔ وہ لوگ شکار کھیلتے رہے مگر میں نے پورا دن ایک درخت کے نیچے گذار دیا۔ شام کو گھر لوٹے۔ گھٹا چھائی ہوئی تھی سرد ہوا چل رہی تھی۔ بجلی چمک رہی تھی۔ جانی نے گنگنانا شروع کر دیا حافظ جی نے گانے کی فرمائش کی جانی نے پہلا شعر گایا ؎

ساون کی رین اندھیری تنہائیوں کا عالم
بھولے ہوئے فسانے سب یاد آ رہے ہیں

یہ تڑپا دینے والا شعر میرے دل کی ترجمانی کر رہا تھا۔ جانی نے اس شعر کو پھر گایا۔ خدا کیلئے گانا بند کرو ورنہ میں ہلاک ہو جاؤنگا۔ میں چلایا اور اُٹھکر کمرہ سے بھاگا وہ لوگ تو چلے گئے مگر مجھے رات کاٹنی تھی۔ بھیانک سی رات ساون کی اندھیری رات۔ بادل گرج رہا تھا۔ بجلی چمکتی ہوئی قریب آ رہی تھی میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ میں کل سے بعد کے حالات قلمبند کرنا چاہتا تھا۔ وسیم لکھا اور رک گیا پھر قلم اُٹھایا اور رکھدیا جذبات نے اسقدر مغلوب تھا کہ اسکے آگے کچھ نہ لکھ سکا۔ پانی برسنے لگا سائبان پر بوندیں پڑنے لگیں۔ بادل کی گرج تیز ہو گئی۔ جنوں خیز جھونکے چل رہے تھے۔ رات اندھیری اور سنسان تھی میں اکیلا تھا چارپائی پر لیٹ گیا ہوا تیز ہو گئی تھی بوچھار آنے لگی چارپائی اندر کھینچ لی میں اور بے چین ہو گیا پانی تیز گر رہا تھا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی ؎

قاصر زباں ہوتی ہے جب عرض حال سے
بنتا ہے ترجمان دل بے قرار تو

وسیم! تمہیں بھلا کیا معلوم مجھ پر کیا گذر رہی ہے۔ تم نہ معلوم کتنی دور ہو۔ کہاں ہو۔ جہاں بھی ہو مگر کیا وہاں بھی یہ گھٹا چھائی ہوگی تمہیں میری بے چینیوں کا کیا علم۔ آج کی رات! خدا کی پناہ تمام تکالیف کا خاتمہ آج ہی تھا۔ سوچتا ہوں کہ ؏ دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟ مگر جواب نہیں ملتا۔ ہاں کبھی کبھی تمہارا آخری جملہ یاد آ جاتا ہے ؏ کہتے ہیں جسکو عشق خلل ہے دماغ کا۔ بادل امنڈ امنڈ کر آ رہے ہیں دل بھی منہ کو آیا جاتا ہے۔ آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے میری تباہیاں...... میری بے چینیاں...... میری وسیم تم نہ سمجھ سکوگی اور نہ کبھی سمجھ سکوگی اور نہ میں کبھی تمہیں سمجھا سکونگا۔

۲۷ جولائی۔ آج بیقرار نہیں ہوں اور نہ روز کی طرح اشکبار ہوں حواس بجا ہیں طبیعت چاہتی ہے کہ پھر اُس داستان کا سلسلہ چھیڑ دوں مگر خوف معلوم ہوتا ہے کہ لکھتے لکھتے پھر نہ دل بیقرار ہو جائے اب میں اس قصے کے اختتام پر پہونچ رہا ہوں۔ خلش بڑھتی ہی جا رہی ہے جب کبھی بیتے ہوئے لمحے یاد کرتا ہوں تو داغہائے سینہ پھر تازہ ہو جاتے ہیں جانتا ہوں پھوڑے کو بار بار چھیڑنا اچھا نہیں ناسور ہو جاتا ہے۔ مگر مجبور ہوں کروں تو کیا کروں۔ یہ نہیں کرتا تو اندر ہی اندر دم گھٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ ہاں تو مضامین کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ میں دن بھر گھر ہی پر پڑا رہتا ہر صحبت سے بیزاری تھی ہر وقت وحشت رہتی۔ دوست احباب میری بے رخی سے سخت ناراض تھے مگر دنیا میں اگر کوئی چیز خود اختیاری ہے تو دل لگی

قسم کھا کر کہتا ہوں میں مجبور تھا۔ میری حالت ناراض ہونے یا غصہ کرنے کے قابل نہ تھی۔ میں قابل رحم تھا۔ اب بھی ہوں۔ مگر اپنی نظر وں میں نہیں اب میں رحم و ہمدردی التفات و محبت اور مہربانی کے اظہار سے بے نیاز ہو گیا ہوں اسوقت عشق میری گرانباری پر ہنستا تھا اب میں رنگیلے آبِ رنگ کی گرفتاری سے دور ہو گیا ہوں اب میں اپنی بے سروسامانیوں اور پریشانیوں سے دوسروں کو تکلیف دینا نہیں چاہتا خود ہی سانپ کا نٹے چبھوتا ہوں اور لطف اندوز ہوتا ہوں میٹھا میٹھا درد ہوتا ہے۔ سب نے مشورہ دیا چند دن بمبئی گھوم آؤں طبیعت بہل جانے کی کوئی صورت شاید نکل آئے۔ چلا طبیعت بہلانے۔ جھانسی کے اسٹیشن پر بڑی بھیڑ تھی۔ کوئی بارات واپس آ رہی تھی کیونکہ دولھن کا چہپلا گاڑی سے لگا تھا۔ ہماری گاڑی اور باراتیوں کی گاڑی آمنے سامنے کھڑی تھی میں ڈبے سے اُترا محض ٹہلنے کیلئے میں ٹہلتا رہا اپنے خیالات میں محو کبھی کبھی گاڑی کو بھی دیکھ لیتا۔ ایک دفعہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ زنانے ڈبے سے کوئی مجھے گھور رہا ہے۔ میں نے دیکھا۔ شہانے جوڑے میں ملبوس وہ شکل تھی جسکو بھلانے کیلئے میں بمبئی جا رہا تھا۔ میری امیدیں۔ میری تمنائیں سب ختم ہو گئیں پامال کر ڈالی گئیں۔ میری طاقت جواب دے رہی تھی آنکھوں پر اندھیرا چھا رہا تھا پھر وہی حالت ہو گئی جو گھر پر ہو جایا کرتی تھی۔ میرے چہرے کا رنگ اُڑ رہا تھا۔ امید میں نا امیدی تھی میری حالت اُس طالب علم کی طرح تھی جسے نتیجہ سنائے جانیوالا ہو اختلاج شروع ہو گیا۔ قلب کے اطمینان کیلئے پھر میں نے دیکھا غور سے دیکھا وہ وسیم ہی تھی وہی وسیم جسکے لئے میں نے اپنی تمام زندگی برباد کر دی وہ شاید میری سچی محبت سے متاثر تھی میری حالت پر افسوس کر رہی تھی کیونکہ جب میں نے اُسے دیکھا تو اُسکی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ ریل کے چھوٹنے کا وقت قریب آ گیا تھا۔ گارڈ نے جھنڈی ہلائی۔ ریل میں حرکت ہوئی۔ جب وسیم کا درجہ میرے سامنے سے گذرا تو میں نے دیکھا کہ وہ گر پڑی شاید وہم ہی ہم ہو۔۔۔ لیکن یہ غلط ہے۔ گاڑی گھڑگھڑاتی نکل گئی۔ گارڈ کا درجہ بھی گذر گیا میں خاموش ٹکٹکی باندھے اُسی طرح کھڑا تھا آنسو آنکھوں میں خشک ہو رہے تھے ایک خیال میرے دل میں آ رہا تھا کیسا خیال حماقت آمیز اچھا حماقت آمیز ہی خیال نہیں تو اور کیا ہے۔ جو چیز امکان میں نہیں اُسکے حاصل کرنے کی خواہش مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے؟ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کاش وسیم کو اسوقت میں لئے جاتا ہوتا۔ گاڑی چلی جا رہی تھی میرے جذبات سے بے پروا میری حالت سے بے خبر گارڈ کا ڈبہ چھوٹا سا نظر آ رہا تھا موڑ پر وہ بھی غائب ہو گیا۔ امید کا آخری تار بھی ٹوٹ گیا۔ تمام اسٹیشن آدمیوں سے بھرا ہوا تھا مگر مجھے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ویرانے میں کھڑا ہوں اپنی حالت سے بے خبر۔ بس اب کچھ نہ لکھونگا اور نہ لکھ سکوں گا۔ وسیم کی یاد اب بھی ہے۔ اُس سے زیادہ بہت زیادہ۔ میرے لئے بس یہی کافی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۶ کالم ۲)

اور حکم لگانے کیلئے اُسکے پاس جو معیار ہوتا ہے وہ کسی بڑی قوت کا عطا کیا ہے یا صرف وہ اُسکی معاشی حالات ماحول، وقت، مکان تعلیم و تربیت، آب و ہوا اور نسلی اثر کے تحت میں ہوتا ہے۔ اسپنیزا کیلئے یعنی اول الذکر معلمین کے مقلدوں نے اسی خیال کی تائید کی۔ اُنھوں نے کہا یہی سب باتیں مل جلکر انسان سے کسی چیز کو اچھا کہلوا لیتی ہیں اور کسی چیز کو بُرا۔

جدید فلسفہ مسئلہ ارتقا کے بھی خلاف ہے۔ ڈارون اور اسپنسر کے نزدیک تمام خاصیتیں یا افعال یا تغیرات ایسی نوعیت رکھتے ہیں کہ وہ کیمیاوی تحلیل سے واضح ہو سکتے ہیں۔ ان میں اسباب و علل کا پایا جانا ضروری ہے۔ موجودہ زمانہ میں ایک ورا اسکول قائم ہو گیا ہے جو ارتقائے ظہوری Emergent Evolution کا قائل ہے۔ اُنکے نزدیک حقیقت اشیاء تک پہونچنے کے طریقے اُنکے باہمی ربط و تعلق، جدید نظریات، فنون لطیفہ کا شہکار، نئی اختراعات محل اور موقع کے مطابق اخلاقی اصول کا تغیر و تبدل ایک تخلیقی ترکیب ہیں یعنی وہ جنکا بیشتر کسی طرح وجود نہ تھا۔ دلیل سے یہ بھی ثابت کیا جاتا ہے کہ ایک چیز بالذاتہ وجود رکھتی ہے اور قوت خیال سے اسکا وجود نہیں قائم ہوتا تھا اسی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ جنت

دورِ حاضرہ میں جنّت اور دوزخ کا تخیل

نوٹ:- یہ تقریر [illegible] فروری [illegible] کو لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے مولوی تحسین الدین علوی بی اے نے نشر کی ہے یہاں اُسے لفظی تغیر و تبدل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ البتہ اسلوب بیان حتی الامکان وہی برقرار رکھا گیا ہے۔ (اڈیٹر)

جنت اور دوزخ کیا چیز ہے؟ یہ دنیا کیسے وجود میں آئی۔ اسکا بنانے والا کون ہے، ہم کیوں مرجاتے ہیں؟ ہمیں کون مار ڈالتا ہے؟ مرنے کے بعد ہم چلے کہاں جاتے ہیں؟ کیا وہ ایسی جگہ ہے کہ پھر وہاں سے واپسی ناممکن ہے؟ یا واپسی تو خیر ممکن ہے مگر واپس آنے کا جی ہی نہیں چاہتا؟ وہاں تکلیف ہے کہ آرام؟ دوست، عزیز، یار، احباب بعینہ ایسے ہی ہیں جیسے یہاں ہیں ملتے ہیں یا وہ کوئی دوسری انسان اور دوسری مخلوق ہیں؟ کیا ہم ہمیشہ قیامت تک اور قیامت کے بعد ہزاروں لاکھوں برس تک وہیں رہا کرینگے اور مزے اور چین کی زندگی گذاریں گے یا کبھی پھر یہاں واپس بھی آئینگے؟ یہ وہ خیالات ہیں جو وقتاً فوقتاً انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں انکا کبھی کبھی وہ جواب بھی دیتا ہے اور پھر شبہ میں پڑجاتا ہے اور کبھی کبھی اگر رگِ تجسس زیادہ پھڑکنے لگتی ہے تو صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالتا ہے۔

قبل اسکے کہ اسکے بارہ میں کچھ کہا جائے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند سطریں عام انسانی سطحِ نظر کے بارے میں لکھدی جائیں تاکہ وہ ایک قسم کا پس منظر کا کام دے سکیں۔

دیکھیے! سائنس اور مذہب میں اب وہ بیر نہیں رہی ہے جو پہلے تھی۔ سائنس پہلے بہت سی چیزوں کو نہ مانتی تھی، وہ سبب اور وجہ کے پیچھے پڑی تھی، مگر اب وہ اُنہی باتوں کو جنھیں کبھی وہ رد کرچکی تھی خود ہی شارع عام پر لارہی ہے اور سب سے مصر ہے کہ اسکو مان لو اور یہ اسلئے کہ اسکی وجہ فلاں ہے اور اسکی وجہ فلاں اور شاید اسی وجہ سے اب یہ کہا جارہا ہے کہ سائنس نے مذہب کی بڑی خدمت کی ہے۔

ایک زمانہ میں علم النفسیات بالکل فلسفہ کے قبضہ میں تھا اور وہ اسطرح کہ انسانی حرکات اور جذبات کی تحلیل کرتے وقت کچھ مفروضات سے مدد لینا پڑتی تھی مثلاً یہ سمجھا جاتا تھا کہ اصل چیز روح ہے جسکے ذریعہ سے جسمانی نظام برقرار رہتا ہے اور انسان کے تمام افعال و حرکات، جذبات میں اُسی کی طرف سے تحریک ہوتی رہتی ہے۔ مگر اب علم نفسیات علم ہیئت (Biology) کی ایک شاخ ہوگیا ہے یعنے جدید فلسفہ کی رو سے تمام انسانی علم کا دار و مدار حواس پر ہے۔ انسان ایک قسم کا آئینہ ہے جسپر مختلف اقسام کے عکس پڑتے رہتے ہیں یہ گویا گویا عکس جسطرح آئینہ پر پیشتر سے موجود نہیں ہوتے بلکہ خارجی ہیں اسیطرح انسان کے خیالات بھی یکسر خارجی ہیں اور فی نفسہ خود وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

اس سے یہ نہ اخذ کرلینا چاہیے کہ سائنس تمام مذہبی عقائد کو تقویت دے رہی ہے مثلاً جنت اور دوزخ ہی کے بارے میں معرکہ آرائیاں ہورہی ہیں۔ سائنسداں کہتے ہیں کہ روح کوئی چیز نہیں انسان کا جسم الکٹران اور پروٹان سے بنا ہے روح کوئی علحدہ چیز نہیں اسلئے انسان کی موت کے ساتھ وہ چیز جسے روح کہتے ہیں وہ بھی فنا ہوجاتی ہے۔

اس عقیدہ کے بموجب جنت اور دوزخ کوئی اصلیت ہی نہیں رکھتے۔ پہلے ضرورت اس امر کی ہے کہ حیات بعد الممات میں یقین کیا جائے۔ اور پھر یہ دعوے کیا جائے کہ جب انسان فنا نہیں ہوتا تو بہت ممکن ہے کہ وہ کسی دوسری شکل میں کہیں رکھا جائے اور کیا عجب ہے کہ وہ جگہ ایسی ہو جسے ہم جنت اور دوزخ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔

مگر بادیات کا سبق دینے والوں نے جنھیں ہیوم، کانٹ، بنسٹیلے خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس عقیدہ کو کب مان سکتے تھے۔ اُنکی تعلیم ہے کہ دماغ کو کوئی نئی چیز سوچنے کی قوت نہیں ملی ہے وہ کسی نئی چیز کو نہیں معلوم کرسکتا۔ اور یہیں سے نیکی بدی، حسن و قبح اور اخلاقیات وغیرہ کا مسئلہ اور پیچیدہ ہوجاتا ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا انسان کسی چیز کے بارے میں ایک حکم کیوں لگاتا ہے (باقی صفحہ کالم ۲)

وطن کی خبریں

نوٹ:۔ اعزا احباب اور سب اہل وطن سے جو باہر ہیں خواہ وطن میں گذارش ہے کہ اپنے یہاں کی قابل اندراج خبریں اور اطلاعات دفتر میں روانہ کرکے مشکور کرتے رہیں۔ (اڈیٹر)

موسم:۔ دن کو اب گرمی خوب ہونے لگی ہے کیونکہ دھوپ میں شدت کافی طور پر بڑھ گئی ہے۔ البتہ بعد غروب آفتاب سے لیکر صبح ۸ بجے تک موسم بہت خوشگوار رہتا ہے۔ رات گئے صحن میں سونے والوں کو موٹی رضائی اوڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

آب و ہوا:۔ نزلہ و زکام اور اسی کے ساتھ بعض لوگوں کو بخار بھی آجانے کی اکثر اطلاعات ملتی رہتی ہیں۔

تقریبات:۔ (۱) بابو سری کرشن چندر خلف بابو رادھا کرشن صاحب (بستی رام گڑھ) کے صاحبزادہ کی تقریب مونڈن ۲۴ اپریل ۱۹۳۹ء کو نو تعمیر مکان میں ہوئی۔ اور مذہبی مراسم ادا ہوئے دوسرے دن ۲۵ تاریخ کو بوقت شب سری کرشن صاحب کی جانب سے قصبہ کے ہندو مسلمان معززین کو پُرتکلف دعوت میں مدعو کیا گیا تھا۔ ہم تقریب کے بخیر و خوبی فراغت پانے پر بابو رادھا کرشن اور بابو سری کرشن صاحبان کو مبارکباد دیتے ہیں۔

(۲) مولوی اجتبا علی عباسی خلف مولوی اقتدا علی عباسی (رئاسنی گڑھی) کا عقد نکاح صبیہ مولوی سلطان یاور علوی (دلی نگر) کے ساتھ ۸ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ (۲۸ اپریل ۱۹۳۹ء) بروز جمعہ بعد نماز جناب حافظ شاہ علی حیدر صاحب نے نکاح پڑھا۔ اور بعد نماز عصر رخصتی عروس عمل میں آئی۔ ہم مولوی اقتدا علی اور مولوی سلطان یاور صاحبان کو فرض سے سبکدوش ہونے پر دلی مبارکباد دیتے ہیں اور زوجین کے خوشی، اطمینان و یکجہتی سے بسر ہونے کی دعا کرتے ہیں۔

چہلم:۔ حسب دستور ۲۴ صفر مطابق ۱۵ اپریل بروز شنبہ کاکوری میں چہلم ہوا اور متعدد تعزیہ محلہ کٹرہ اور چودھری محلہ سے اٹھائے جانا سنا گیا ہے۔ مرزا سکندر بیگ قدر کے نام سے موسوم بھی ایک بڑا تعزیہ (جسکا انتظام معلوم ہوا کہ وہ کئی سال سے بشوق دلچسپی کرتے ہیں) اور تعزیوں کے ہمراہ تھا۔ یہ بھی دریافت ہوا ہے کہ اس مرتبہ ایک تعزیہ بصورت امام باڑہ تھا اور لکھنؤ کے اطراف جات کے لوگ مدد کے ساتھ تھے۔

ذکر میلاد:۔ معلوم ہوا کہ ۲۰ اپریل کو بعد نماز مغرب جامع مسجد واقع کٹرہ بازار میں قصبہ کے تمام تکیہ والوں کی جانب سے محفل میلاد حضور سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم منعقد کی گئی تھی۔ جناب حافظ شاہ اکرام علی صاحب نے بیان فرمایا تھا۔ مجمع کافی تھا۔

ملازمتیں:۔ یہ سنکر خوشی ہوئی کہ منشی عرفان حسین مرحوم کے دونوں داماد مسٹر محمد عثمان بی اے ایل ایل بی، مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ کے پرائیویٹ سکریٹری بمشاہرہ دو سو روپیہ ماہوار پر مقرر ہوکر بمبئی گذشتہ مہینہ میں گئے ہیں اور ... بی ہے کا جامعہ ملیہ دہلی میں بحیثیت پروفیسر کے تقرر عمل میں آیا ہے ہم دونوں صاحبان کو ہدیہ مبارکباد پیش کرتے ہوئے آئندہ ترقیوں کیلئے دعا کرتے ہیں۔

صحت و تندرستی:۔ (۱) معلوم ہوا کہ حافظ مولوی احترام الدین علوی (مولوی محلہ) کی صاحبزادی لکھنؤ میں سخت انفلوانزا میں مبتلا ہوگئی تھیں اور نمونیہ کا اثر معلوم ہوتا تھا شکر ہے کہ اب اچھی ہیں اور مرض کے اثرات بڑی حد تک رفع ہو چکے ہیں۔

(۲) اہلیہ مولوی اسلام الدین جنکو افاقہ کے بعد گذشتہ عشرہ میں پھر درد کا دورہ ہوگیا تھا اور جسکی تکلیف سے بخار بھی آیا۔ سنا گیا ہے اب انکی طبیعت چاق ہے۔

علالتیں:۔ (۱) کلکتہ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ بیوہ قاضی اعجاز علیخاں مرحوم (جو اپنے بھانجے مسٹر اظہار علی عباسی کے ساتھ مقیم ہیں) سخت علیل ہوگئی تھیں اب معلوم ہوا ہے کہ مرض کے شدائد میں تو ڈاکٹری علاج سے کمی ہوگئی ہے لیکن تمام جسم میں خشکی بیحد بڑھ گئی ہے اور خون کی بھی کمی معلوم ہوتی ہے۔ خداوند کریم جلد صحت و تندرستی عطا فرمائے۔

(۲) بارہ بنکی سے اطلاع ملی ہے کہ شیخ محمد فاروق علی عباسی (احاطہ غلام جیلانی) اور سیر ڈسٹرکٹ بورڈ بارہ بنکی کی اہلیہ کئی ماہ سے بخار میں مبتلا ہیں اور اختلاجی دورے بھی ہوتے ہیں۔ فاروق علی

صاحب کی ہمشیرہ بھی علیل ہیں اور زنانہ اسپتال میں زیر علاج ہیں۔ دونوں بچوں کے بھی بڑی چیچک نکل آئی تھی دونوں بفضلہ اب اچھے ہیں اہلیہ و ہمشیرہ کی علالتوں سے فاروق علی صاحب متردد و پریشان ہیں اللہ تعالٰے مریضاؤں کو جلد صحت کاملہ عطا فرما کر اعزا و متعلقین کو مطمئن فرمائے۔

(۳) بیوۂ قاضی احترام علیخاں مرحوم ڈاکٹری علاج سے گھبرا کر اور یہاں کوئی اچھا طبیب یونانی کا ماہر نہ ہونے کی وجہ سے لکھنؤ گئی ہیں اور وہاں حکیم کمال الدین کا علاج شروع ہوا ہے۔ موصوفہ کے جگر کی خرابی بدستور باقی ہے اور معدہ کی پوری اصلاح نہیں ہوئی ہے ضعف حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اسہال کی حالت میں ورم میں کمی ہو جاتی ہے اور دست جب روکے جاتے ہیں تو پاؤں اور پیر متورم ہو جاتے ہیں اللہ تعالٰی مریضہ کو جلد صحت کاملہ عطا فرما کر مطمئن فرمائے۔

(۴) مولوی یقین الدین سلمہ تقریباً ایک ماہ کے بعد خیر آباد سے واپس آگئے۔ ڈاکٹر نے آنکھوں کو ناقابل قدح بتایا۔ کیونکہ پردوں میں سوراخوں کا صحیح مقام باوجود کوشش کے دریافت نہ ہو سکا اور دیدوں میں متعدد زخمی پیدا ہو گئی ہے کہ نشتر لگانا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یقین الدین سلمہ خود اور سب اعزا سخت متردد و پریشان ہیں۔ لکھنؤ کے ایک مشہور طبیب نے علاج کا وعدہ کیا ہے خدا کرے یونانی طریقہ علاج سے فائدہ ہو اور اللہ تعالٰے عزیز مذکور کی کم عمری پر رحم فرما کر آنکھوں کی شکایت رفع فرمائے۔

متفرقات:۔ (۱) حسب دستور قدیم حسب ذیل مقامات پر زیارت موئے شریف حضور سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہوگی شائقین زیارت سے مشرف ہو کر داخل حسنات ہوں:۔ ۱۰ ربیع الاول (سہ شنبہ) تیجیہ تلہ زنانی ۔ ۱۱ ربیع الاول (چہار شنبہ) تکیہ شریف کاظمیہ مردانی ۔ ۱۶ ربیع الاول (دوشنبہ) مولوی محلہ مردانی و زنانی

(۲) حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندرؒ کا فاتحہ سالانہ ۱۰ ربیع الاول مطابق ۱۰ مئی سنہ ۳۸ء بروز سہ شنبہ بعد نماز مغرب تکیہ شریف پر ہوگا اسی دن صبح کو قرآن خوانی ہوگی اور بعد نماز عشا محفل سماع دوسرے دن ۱۱ ربیع کو ۸ بجے صبح سے بھی قوالی کی محفل ہوگی معتقدین و متوسلین تکیہ شریف کاظمیہ کو فاتحہ و محافل قوالی میں شریک ہونا چاہیے

(۵) اسی سلسلہ میں یہ لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ بارش میں مزارات حضرت حافظ شاہ علی انور قلندرؒ اور حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندرؒ کو جو شدید نقصانات پہنچے تھے انکو از سر نو بصرف زر کثیر درست کرا لیا گیا۔ بمشورہ خانصاحب حاجی انعام علی صاحب انجینیر آگرہ سے کاریگروں کو بلوا کر سنگ مرمر کی مسہریوں وغیرہ کو کھلوا کر نہایت پختہ طریقہ پر درستی کرا دی گئی ہے اور آئندہ کیلئے نقصانات کا سد باب کر دیا گیا۔

(۶) ۱۱ اپریل (دوشنبہ) کو حضرت ملا عبد الکریمؒ کا سالانہ عرس حسب دستور قدیم محلہ قصبہ کی مسجد میں بعد نماز عصر ہونا معلوم ہوا ہے بعد ختم فاتحہ خوانی حاضرین کو شیرینی تقسیم کی گئی۔

حادثۂ غم:۔ اہلیہ منشی لطیف حسن (کٹرہ) جنکی علالت کی مجمل اطلاع گذشتہ اشاعت میں درج ہوئی تھی ۲۴ اپریل سنہ ۳۸ء کو بمقام لکھنؤ انتقال کر گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ معلوم ہوا کہ مرحومہ ایک سال سے سخت علیل تھیں اور سینہ کے اندر گلپھڑے میں کینسر ہو گیا تھا لکھنؤ کے مشہور ڈاکٹروں اور طبیبوں کا علاج ہوا اور میڈیکل کالج کے ماہرین نے بھی طبع آزمائی کی لیکن کوئی علاج مفید نہیں ہوا۔ مرحومہ نے کئی نو عمر و خورد سال بچے یادگار چھوڑے۔ ہم کو اس حادثہ میں منشی لطیف حسن سے دلی ہمدردی ہے اور دعا کرتے ہیں کہ مرحومہ کو اللہ تعالٰی غریق رحمت فرمائے اور لطیف حسن صاحب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۷ اپریل کے اخبار اسٹیٹسمین کلکتہ میں ہم نے دلی رنج و افسوس سے اس خبر کو پڑھا کہ فخر قوم شیر بنگال آنریبل مولوی اے۔ کے فضل الحق صاحب وزیر اعظم صوبہ بنگال کی اکلوتی صاحبزادی نے انتقال کیا انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مولوی صاحب ممدوح نے کاکوری مسلم لیگ کی پولیٹکل کانفرنس میں صدارت فرمانا منظور کر لیا تھا اور تیسرے ہفتہ مئی میں تشریف لانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس حادثہ فاجعہ کی وجہ سے کانفرنس کو فی الحال ملتوی کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔

یونائیٹڈ انڈیا برقی پریس لکھنؤ میں باہتمام سید توسل حسین چھپوا کر دفتر کاکوری اخبار مولوی محلہ (لال علی) کاکوری سے سید محمد مشیر الدین نے شائع کیا۔